موسلہ :- مولانا ابوالحسن علی ندوی

اسلامی مباحث

—— برصغیر کے علماء و فضلاء کا بے مثال کردار ——

و

تحقیقات

اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے دانشوروں کی کانفرنس میں مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ کا
بصیرت افروز خطبۂ صدارت

ناظم ندوۃ العلماء مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ۶ر اکتوبر کو لکھنؤ کی اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے آٹھویں اجلاس میں خطبۂ صدارت پڑھتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ انگریزی میں اسلامی لٹریچر تیار کیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ انگریزی کو سرکاری سرپرستی حاصل ہونے کے باوجود اس میں اتنا اور ایسا تحقیقی کام نہیں ہوا جتنا اور جیسا عربی زبان میں ہوا جس کے ساتھ دنیاوی فائدوں کی کوئی امید وابستہ نہیں تھی۔

علی میاں نے یہ سوال اٹھایا کہ کیا یہ فرق قدیم نظام تعلیم کی وجہ سے پایا جاتا ہے۔ یہ خطبہ صدارت ہمیں مولانا مدظلہٗ کی طرف سے موصول ہوا ہے اور ہم اسے نذر قارئین کر رہے ہیں۔

(ادارۃ الحق)

فضلائے گرامی! یہ حسن اتفاق ہے کہ اسلامک سٹڈیز کانفرنس اس سال ایک ایسے ادارہ اور تعلیمی مرکز میں منعقد ہو رہی ہے جس کے متعدد بانیوں اور فضلاء نے اسلامی مباحث و تحقیقات کے میدان میں اپنے بحث و تحقیق، مطالعہ و محنت، توازن دماغی، اصابت رائے اور نظر کی گہرائی و گیرائی کے تابناک نقوش چھوڑے ہیں اور جہاں تک اردو زبان اور تحتی برّاعظم میں علمی تحقیق و جستجو کے کام کا تعلق ہے، ان کو ایک طرح سے اولیت و پیش قدمی کا شرف حاصل ہے۔ انہوں نے اس کے لئے وہ زبان و پیرایۂ بیان اختیار کیا جو ان علمی مباحث کے مزاج

سے پوری مطابقت رکھتا ہے، اور اس میں صحیح تناسب کے ساتھ ادب و انشا کی وہ چاشنی بھی موجود ہے۔ جس کے بغیر اس نسل کے ان نوجوانوں کا جن کی نشو و نما ہندوستان کے گذشتہ ادب پرور ماحول میں ہوئی تھی ان خشک علمی و تاریخی مباحث کے پڑھنے پر آمادہ ہونا دشوار تھا۔ نیز ان کی نگارشات نے اس طبقہ کا اپنے عقائد و دینی مسلمات، اپنی تہذیب و تمدن اپنی تاریخ اور اپنے زبان و ادب پر اعتماد بحال کیا، اور اس میں خودداری و خوداعتمادی پیدا کی، جو ۱۸۵۷ء کی شکست و ریخت اور مغربی تہذیب و تعلیم کی یلغار سے مایوسی و احساسِ کہتری کا شکار تھا۔ عربی و فارسی زبانوں پر عبور رکھنے، علومِ اسلامیہ کی منظم و تفصیلی تعلیم حاصل کرنے اور ان مباحث و تحقیقات کے قدیم و مستند مآخذ پر براہِ راست نظر رکھنے اور ان سے استفادہ کر سکنے کی صلاحیت کی بنا پر ان کی تحریروں میں اصالت (ORIGINALITY) اور پختگی پائی جاتی ہے۔ اور وہ ان ناہمواریوں اور غلط فہمیوں سے بڑی حد تک پاک تھیں جو بالواسطہ مطالعہ و ترجمہ اور سکنڈ ہینڈ معلومات کا قدرتی نتیجہ ہوتی ہیں اور جن سے مغرب کے بہت سے نامور مستشرقین اور ان کے تلامذہ اور خوشہ چیں محفوظ نہیں رہ سکے۔

علمی و تاریخی تحقیق اگر زبان کوئی حجاب اور عیب نہیں ہے تو کتاب خواہ کسی زبان میں ہو اسکی اصل قدر و قیمت (MERIT) مواد و مضامین، مستند معلومات، اپنی تحقیق کو ثابت کرنے کے لئے قوی علمی دلائل، صحیح تحلیل و تجزیہ، داخلی شہادتیں اور دستاویزی ثبوت ہے۔ اسکی روشنی میں پورے وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ فارسی شاعری کی تاریخ اور شعرائے ایران کے تذکرہ اور نقد سخن میں مولانا شبلی نعمانی کی مایہ ناز کتاب "شعر العجم" جزیہ اور ذمیین کے حقوق کے مبحث پر ان کے فاضلانہ مضامین "الجزیۃ فی الاسلام" اور "حقوق الذمیین" ایک مشہور عوام و زبان زد خلائق، الزام کی تردید اور اسکی تاریخی حقیقت کے بے نقاب کرنے کے سلسلہ میں ان کے دو محققانہ رسائل "کتب خانۂ اسکندریہ" اور "اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر" تاریخ نگاری اور علمی تنقید کا نمونہ کہے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح ان کے ایک معاصر و رفیق کار مولانا حکیم سید عبدالحی سابق ناظم ندوۃ العلماء کی کتاب "گلِ رعنا" اردو شعراء کے تذکرہ میں اور "یادِ ایام" صوبۂ گجرات کی علمی، تمدنی، تعمیری، رفاہی اور اخلاقی و روحانی ترقی و شائستگی اور وہاں کے سلاطین و وزراء اور علماء و مشائخ کے تعارف میں ایک مثالی تذکرہ کی حیثیت رکھتی ہے، جس کے طرز و اسلوب پر ہندوستان کے تمام صوبوں اور ریاستوں کی تاریخ لکھی جانی چاہیئے تھی، اول الذکر کتاب "گلِ رعنا" میں انہوں نے اردو زبان و شاعری کی تاریخ و ارتقاء کے سلسلہ میں بعض نئی تحقیقات و نظریات پیش کئے ہیں۔ اور اردو کے سب سے مشہور و مقبول تذکرہ "آبِ حیات" کی جس کو ادبی حلقوں میں ماورائے تنقید سمجھ لیا گیا تھا۔ بہت سی تاریخی غلطیوں اور فروگذاشتوں

کی نشان دہی اور متعدد ناہمواریوں اور ناانصافیوں کی بھی وضاحت کی گئی ہے، جن کے سلسلے میں مصنف کتاب کا سحر نگار قلم حقیقت سے دور جا پڑا تھا۔

دوسرے دور میں مولانا شبلی کے مایہ ناز شاگرد اور اس درسگاہ کے (جہاں اسوقت آپ جمع ہیں) نامور فاضل مولانا سید سلیمان ندوی رحؒ کی تصانیف "عرب وہند کے تعلقات" "عربوں کی جہاز رانی" اور "خیام"، بحث وتحقیق، وسیع مطالعہ، اسلامی کتب خانہ کے وسیع وعمیق سمندر کی تہہ میں سے موتی نکالنے اور خرمن علم کی ریزہ چینی کا اعلا نمونہ ہیں جن پر ہماری اردو زبان اور نئے دور کو فخر کرنے کا حق ہے۔ عمر خیام، ایران کا سرمایہ فخر اور مایہ نازش شاعر وریاضی دان ہے۔ لیکن خود ایران اس کے علمی کمالات کی صحیح نقاب کشائی اور علمی وتاریخی تحقیق وکاوش میں اس کتاب کی کوئی نظیر نہیں پیش کر سکتا۔ اسی طرح "نقوش سلیمانی" میں اردو زبان کے بہت سے الفاظ ومحاورات کی تحقیق خاص طور پر "تہند" کے سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے، اس سے تحقیقی کام کرنے والوں کو بحث وتحقیق اور غور وفکر کا مواد ملتا ہے۔ اور نئے نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔

علماء کا قائدانہ کردار یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ متعدد اسلامی ملکوں کے برخلاف ہندوستان کے علماء علم وتحقیق کے قافلہ سے بچھڑنے نہیں پائے اور انھوں نے اپنے ملک کی زبان اور ادب سے ناتا نہیں توڑا، جیساکہ متعدد اسلامی اور بعض عرب ملکوں میں پیش آیا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان علماء نے ایک طویل عرصہ تک سیاست اور ملک کی تحریک آزادی کیطرح ان علمی وادبی میدانوں میں بھی قائدانہ کردار ادا کیا، اور ادب وتنقید میں بعض ایسی یادگاریں چھوڑیں جو ان کے پاکیزہ ادبی ذوق، زبان کی اداشناسی ومزاج دانی اور تنقیدی صلاحیت کی آئینہ دار ہیں اور اس میدان میں خواہ ان کو ابتدائی کوششوں کا نام دیا جائے وہ سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

خواجہ الطاف حسین حالی کا "مقدمہ شعر وشاعری" اور "یادگار غالب" مولانا شبلیؒ کا "موازنہ انیس ودبیر" مولانا عبدالسلام ندوی کی "شعر الہند" اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ اور خواہ اس موضوع پر علم وتحقیق کا قدم کتنا ہی آگے بڑھ جائے اور اس میں کتنا ہی بیش بہا اضافہ ہو، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ گیسوئے اردو کے سنوارنے اور زبان وادب کی شائستگی میں ان پیش رو مصنفین کا احسان بھلایا نہیں جا سکتا۔

انگریزی زبان وافکار فضلائے گرامی! آپ حضرات سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ انیسویں صدی عیسوی کے کم سے کم وسط سے عالم اسلام بالخصوص اس کے چار ملکوں، ترکی، مصر، ایران اور ہندوستان کو مغربی تہذیب مغربی تعلیم اور مغربی افکار واقدار اور فلسفوں کا رد در رد سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس میں ہندوستان کا قدم دوسرے مسلم اور عرب ملکوں سے آگے ہے کہ مغربی تہذیب اور علوم کے سب سے طاقتور دیرجوش نمائندہ برطانیہ

نے شروع ہی میں اس پر مکمل سیاسی تسلط حاصل کر لیا تھا۔ اور جب کہ مذکورہ بالا ممالک اس تہذیب و تعلیم سے بالواسطہ اور اسکی علمی و ادبی محنتوں کے ذریعے متاثر ہو رہے تھے، وہ خاص طور پر مغرب کے سیاسی، ذہنی اور علمی و تہذیبی اقتدار کی تحویل و نگرانی میں آگیا تھا۔ ہندوستانی مسلمان انگریزی کے سیکھنے اور اس کے ادب و انشاء تحریر اور خطابت و تقریر میں قابلیت پیدا کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ قصبہ قصبہ انگریزی سکولوں کے کھل جانے، بڑے شہروں میں کالجوں اور صوبوں کے مرکزی شہروں میں یونیورسٹیوں کا قیام عمل میں آرہا تھا، انگریزی اخبارات جاری ہو رہے تھے، انگریز حکام اور دانشوروں کے ساتھ صحبت و اختلاط کے مواقع مہیا تھے، انگلستان کی شہرۂ آفاق یونیورسٹیوں بالخصوص کیمبرج اور آکسفورڈ کی طرف اعلا خاندانوں اور کھاتے پیتے گھرانوں کے بہترین نوجوان بڑی تعداد میں رخ کر رہے تھے۔ وہاں وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے اور انگریزی زبان و ادب کو اوڑھنا بچھونا بنا لیتے۔

اس پر مستزاد ۱۸۷۵ء میں سر سید احمد خاں مرحوم جیسی طاقتور شخصیت کے ہاتھوں مدرسۃ العلوم کے نام سے علی گڑھ میں ایک دانش گاہ کا قیام عمل میں آیا جس میں ذہنی، علمی، اخلاقی قیادت مسٹر بیک (Mr. BECK) و مسٹر مارسین (Mr. MORISON) اور مسٹر ارچبولڈ (Mr. ARCHBOLD) جیسے فاضل اور اثر انگیز اساتذہ اور منتظلین کے ہاتھ میں تھی، پھر ۱۹۳۱ء میں اس نے یونیورسٹی کا درجہ حاصل کر لیا۔ اس تختی برّاعظم کے ذہین نوجوان مسلمانوں کے لئے اس میں مقناطیس کی سی کشش تھی، جس نے خلیج بنگال سے لے کر درّہ خیبر تک کے باصلاحیت مسلمان خاندانوں کے جگر گوشوں کو اپنی طرف اس طرح کھینچ لیا جس طرح مقناطیس آہن پاروں کو کھینچ لیتا ہے۔ دوسری طرف اس ملک کی دینی حس اور ملی غیرت دوسرے اسلامی ملکوں کے مقابلہ میں، ان اسباب کی بنا پر (جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں اور میں اپنی بعض ناچیز تصانیف و مضامین میں ان کا تفصیل سے ذکر کر چکا ہوں) زیادہ تیز اور طاقتور تھی، جس کا ایک ثبوت تحریک خلافت میں ہندوستانی مسلمانوں کا دنیا کے دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کے مقابلے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا اور اپنی اسلامی تہذیب اور دینی شعائر پر اس سے زیادہ ثبات اور استقامت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ جتنا دوسرے ملکوں نے کیا ہے۔

یہ صورتِ حال اور یہ حقائق جن سے کوئی باخبر ہندوستانی مسلمان انکار نہیں کر سکتا، اس بات کے مقتضی بلکہ ضامن تھے کہ کم سے کم ہندوستان میں اسلام کے عقائد و اصولِ شریعت و قانون، اسلامی تہذیب و تمدن مسلمانوں کی تاریخ اور ان کے دورِ قیادت و عظمت، مسلمانوں کے نظامِ حکمرانی و سیاست، اسلامی اقتصادیات اور اسلامی فلسفۂ اخلاق پر انگریزی ہی میں کثیر تعداد میں بلند معیار کی کتابیں لکھی جائیں گی اور بحث و تحقیق، مغربی تہذیب پر تنقید اور اسلام کی ترجمانی و تشریح کے لئے انگریزی زبان کو اظہارِ خیال اور اظہارِ کمال کا ذریعہ بنایا جائے گا، اور اس پر کم وقت میں ایک وسیع کتب خانہ (LIBRARY) تیار ہو جائے گا۔ جو ایک طرف مسلمان نوجوانوں میں

خوداعتمادی و خودنگری کا جوہر پیدا کرے گا۔ دوسری طرف یورپ کے دانشوروں اور خاص طور سے برطانیہ کے فضلاء ومصنفین و مستشرقین کو اگر اسلام کا حلقہ بگوش نہ بنا سکے گا تو کم سے کم ان کو اسلام کے سنجیدہ اور مخلصانہ مطالعہ پر آمادہ کرے گا۔ اور اسلامی تحقیقات (اور آج کل کی زبان میں "علمی و ادبی تخلیقات") کا ایک سیل رواں جاری ہوگا جو ان دانش گاہوں سے نکل کر سارے ملک کو سیراب کر دے گا، اور اس کی لہریں کیمبرج، آکسفورڈ، برمنگھم اور ایڈمبرا کی یونیورسٹیوں کی دیواروں سے ٹکرائیں گی، انگریزی پر عبور رکھنے والے یہ مسلمان فضلاء کم سے کم اسلامی تاریخ، اسلامی قانون اور عربی فارسی اور اردو زبان و ادب اور شاعری کی تاریخ و تنقید کے سلسلہ میں اپنی یونیورسٹیوں اور کالجوں کو خود کفیل بنا دیں گے، اور ان موضوعات کا مطالعہ کرنے والوں کو عرب و ایران کی ادبی و سیاسی تاریخ کے معلومات کے لئے کسی نکلسن (NICHOLSON) کسی براؤن (BROWNE) اور کسی ہٹی (HITTI) کی احتیاج نہ رہے گی، اور جہاں تک شریعت اسلامی کی تاریخ اور حدیث و فقہ کی ترتیب و تدوین کا تعلق ہے کسی گولڈزیہر (GOLD ZHER) اور کسی شاخت (SCHACHT) کی ضرورت نہ ہوگی، جہاں تک عربی ادب و شاعری قرآن کی زبان اور اس کے علوم کا تعلق ہے کسی مارگولیوتھ (MARGOLIOUTH) کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے گا۔ جہاں تک اسلامی دور میں تصنیف و تالیف کی تحریک اور مسلمانوں کے آثار علمیہ اور ان کی قلمی کاوشوں کا تعلق ہے ان سے واقف ہونے کے لئے کسی بروکلمن (BROCKELMANN) کا دریوزہ گر ہونے کی ضرورت پیش نہ آئے گی۔ اور اس طرح مسلمان تعلیم یافتہ نوجوان نہ صرف اس ذہن و تہذیبی ارتداد کے خطرے سے محفوظ ہو جائیں گے، جو تیزی کے ساتھ ان ملکوں میں پھیل رہا تھا۔ جو مغرب کے زیر اقتدار تھے، بلکہ وہ مغرب میں اسلام کی تبلیغ، قرآن مجید اور سیرت نبوی سے متعارف کرانے اور اسلام کے چشمۂ حیات پر لانے کا ذریعہ بھی بن سکیں گے۔

سارے دلائل و قرائن اس بات کے حق میں تھے کہ ہندوستان میں اسلامیات پر تحقیق و تصنیف کا ایک نیا دور شروع ہوگا، انگریزی زبان ان بلند معیار کتابوں سے مالا مال ہو جائے گی، جو زبان کی شیرینی و دلآویزی استدلال کی مضبوطی، مواد کے حسن ترتیب اور پیش کرنے کے سلیقے کی بنا پر اہل زبان کے لئے بھی دلکشی و دلچسپی کا سامان رکھتی ہونگی۔

لیکن مجھے آج اس مؤقر مجلس میں جس میں ہندوستانی یونیورسٹیوں کے چیدہ فضلاء اسلامیات اور السنۂ شرقیہ کے معلم و ناقد جمع ہیں، اپنے اس تاریخی و علمی استعجاب کے اظہار کی اجازت دیجئے کہ ہندوستان کا ایک دیانتدار اور وسیع النظر مورخ یہ معلوم کر کے حیران رہ جاتا ہے کہ یہ توقع پوری نہیں ہوتی، اگر ہم ہندوستانی مسلمانوں میں انگریزی زبان و ادب کی تعلیم و تحصیل کی تاریخ ۱۸۵۸ء کی بجائے جب ہندوستانی مسلمان ہمہ گیر شکست سے دوچار اور انگریزوں کے پے درپے فتوحات سے سراسیمہ و بدحواس ہو رہے تھے، ۱۸۷۵ء سے شروع کریں

جب علی گڑھ میں مدرسۃ العلوم (M.A.O. College) کی بنیاد پڑی اور اس کو احتیاطاً ۱۹۷۵ء پر ختم کر دیں، تو ایک پوری صدی کی مدت جس میں تنہا ایم۔اے۔او کالج اور بعد میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ایسے فضلاء بھی پیدا کئے جن کی دینی حمیت معروف اور جن کا انگریزی زبان پر اہل زبان کی طرح عبور مسلّم و مشہور رہے، صرف اتنی کتابیں بھی انگریزی زبان میں پیش نہیں کر سکتی ہے جو انگلیوں پر گنی جا سکیں۔ ہمیں انیسویں صدی کے آخر میں اور بیسویں صدی کے اوائل میں انگریزی کے دو تین مصنّف سے زیادہ نہیں ملتے جنہوں نے اسلام اور اسلامی تہذیب و تاریخ پر ایسی کتابیں لکھیں جو اہل مغرب سے اپنے مصنّفین کی زبان دانی کا لوہا منوا سکیں یا اپنے مواد و مضامین اور ان کو پیش کرنے کے طریقے سے اہل مغرب کو متاثر کر سکیں۔

اسلام پر کام | ان میں سر فہرست نام رائٹ آنریبل جسٹس سید امیر علی کا ہے جن کی کتاب اسپرٹ آف اسلام (SPIRIT OF ISLAM) نے (جس کے سارے خیالات و نتائج بحث سے اتفاق کرنا مشکل ہے) انگلستان کے علمی و ادبی حلقہ سے خراج تحسین وصول کیا، اور بہت سے ذہین اور فاضل نوجوان اس کو پڑھ کر اسلام کی صداقت کے قائل ہو گئے۔ ان کی دوسری کتاب History of the Saracens اپنی زبان کی سلاست، تحریر کی شگفتگی اور توازن کی وجہ سے عرصہ تک مقبول اور متداول رہی۔ دوسرا ہندوستانی مسلمان مصنّف جس کی کتابوں سے باہر کی دنیا متعارف ہے، صلاح الدین خدا بخش ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان کے بہت سے خیالات سے اسلام کا صحیح علم رکھنے والے فضلاء کو شدید اختلاف پیدا ہوا۔ اس بات میں ان سے بڑھ کر مولوی محمد علی لاہوری امیر جماعت احمدیہ لاہور اور خواجہ کمال الدین کا نام لیا جا سکتا ہے۔ جن کی کتابیں کسی زمانہ میں اسلام کے سمجھنے کا واحد ذریعہ سمجھی جاتی تھیں، لیکن جمہور مسلمین و مسلک اہل سنّت سے ان کی علیحدگی اور اوّل الذکر (مولوی محمد علی لاہوری) کے مجتہدانہ خیالات مغربی فلسفہ اور علم طبیعات (جو ابھی دورِ طفولیت میں تھا۔) سے ضرورت سے زیادہ مرعوبیت اور غلبی حقائق معجزات انبیاء اور ماورائے عقل بیانات کی دور از کار تاویلات اور ان کو عصری معلومات اور طبعی اصولوں کے مطابق بنانے کی پر تکلف کوشش نے ان کتابوں کی دینی و علمی قدر و قیمت کو مجروح کر دیا۔ پھر یہ کتابیں سب مدافعانہ انداز اور معذرت آمیز لہجہ میں لکھی گئی تھیں جو ہمیشہ کمزور اور غیر مؤثر ہوتا ہے۔

اس کے بعد اگر کسی ایسے بلند پایہ مصنّف کا نام لیا جا سکتا ہے جس نے انگریزی میں کوئی ایسا کام کیا جس نے باہر کی دنیا کو متوجہ کر لیا اور مغربی فضلاء نے اس سے استفادہ کیا اور اپنی کتابوں میں اس کے حوالے دئے تو وہ علامہ اقبال اور علامہ عبداللہ یوسف علی ہیں۔ اوّل الذکر کی شہرۂ آفاق کتاب الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید (Reconstruction of Religious Thought in Islam) ہے جو ان کے مدراس کے خطبات کا مجموعہ ہے۔ اور جو اپنے بعض تفردات کے باوجود ایک فکر انگیز اور پُرمغز کتاب ہے۔ اور جس کو مغرب کے چوٹی کے

دانشوروں نے اہمیت دی اور اس کے اقتباسات اپنی کتابوں میں نقل کئے۔ اور ثانی الذکر کا ترجمہ قرآن مجید اپنی ادبیت، موسیقیت اور زورِ بیان کی بدولت یورپ و امریکہ میں مقبول ہوا اور اس کے کثیر التعداد ایڈیشن پاکستان، سعودی عرب اور بیرونی ممالک سے شائع ہوئے۔ اسی طرح مسٹر مارماڈیوک پکتھال (جو عرصہ تک حیدرآباد میں رہے) M. M. Pick Thaul کے ترجمہ قرآن کی زبان کی سلاست اور اسلوب کی دلنشینی کا اہلِ علم کو اعتراف ہے اور اس ترجمۂ قرآن مجید نے بھی بڑی مقبولیت اور شہرت حاصل کی۔

اس سلسلہ میں جب کہ قرآن کے انگریزی ترجمہ کا ذکر آگیا ہے، بڑی ناانصافی ہوگی اگر مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مرحوم کے ترجمۂ قرآن کا ذکر نہ کیا جائے۔ اس ترجمہ کی اصل قدر و قیمت اس کے وہ فاضلانہ نوٹ ہیں جو مولانا کے وسیع و عمیق مطالعہ مذاہب و تاریخ مذاہب پر وسیع نظر یہودی و عیسائی ماخذ سے پورے استفادے پر مبنی ہیں۔ اور ان سے قرآن مجید کے بیانات اور اس کے علوم و حقائق کی صداقت اور اعجاز قرآن کے ثابت کرنے کا کام لیا گیا ہے، اور جس میں مولانا اس عہد کے مترجمین قرآن مجید میں منفرد نظر آتے ہیں۔ افسوس ہے کہ اس محنت کی ابھی تک پورے طور سے قدر نہیں کی گئی اور اس ترجمہ کو وہ مقام نہیں دیا گیا جس کا وہ مستحق ہے۔

اس طبقہ کے بعد انگریزی میں اسلامیات پر کام کرنے والوں میں جس کا کام اور نام سب سے زیادہ روشن ہے۔ وہ ہمارے با اصول دوست ڈاکٹر حمید اللہ حیدرآبادی مقیم حال پیرس ہیں، ان کی دو کتابیں خاص طور پر یہاں قابلِ ذکر ہیں ایک انٹروڈکشن آف اسلام (Introduction of Islam) دوسرے محمد الرسول اللہ، (Mohammadun Rasool ullah) جن کے ذریعہ ہزاروں مسلمانوں کو جن کی واقفیت کا ذریعہ صرف انگریزی زبان ہے، اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھنے کا موقع ملا۔ لیکن ان کی بحث و تحقیق اور دماغی کاوش اور دیدہ ریزی کا اصل مظہر ان کی کتاب "صحیفہ ہمام ابن منبہ" (Sahifa Humam Ibn Munabbih) ہے جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ حدیث کی جمع و ترتیب و تدوین کا کام عہدِ نبوی ہی سے شروع ہو گیا تھا، اور مسلسل طریقہ پر اصحاب صحاح و سنن تک جاری رہا اور اس میں کوئی مختصر سے مختصر وقفہ اور خلا پایا نہیں جاتا اس کتاب کو لکھ کر انہوں نے نہ صرف حدیث بلکہ اسلام کی اس وقیع علمی خدمات انجام دی ہے جس کا اعتراف کرنا ضروری ہے۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کے اس صوبہ کے ایک جواں سال فاضل ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی کی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، جنہوں نے اس دعویٰ کا دستاویزی ثبوت فراہم کیا اور اپنی فاضلانہ کتاب Studies in Early Hadith Literature لکھ کر ڈاکٹر حمید اللہ کے کام کو آگے بڑھایا اور اس کو زیادہ مدلل و مفصل طریقہ پر ثابت کیا۔

اے۔ ایم۔ اے شوشتری کی کتاب Out lines of Islamic Culture اور ڈاکٹر برہان احمد

فاروقی کی The Mujaddid's Conception of Tauheed اسلامیات پر انگریزی لٹریچر میں ایک وقیع اضافہ ہے، انگریزی میں اسلامیات پر کام کرنے والوں میں حیدرآباد کے ڈاکٹر سید عبداللطیف مرحوم (جو قرآن کے مترجم بھی ہیں) ڈاکٹر میر ولی الدین، حافظ غلام سرور، خالد لطیف گابا، ڈاکٹر سید مقبول احمد الحاج مولانا فضل الکریم، سید اطہر حسین صاحب اور سید محی الدین صاحب کا نام تعریف و اعتراف کے ساتھ لیا جا سکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا یہ اس پوری صدی کے طویل رقبہ کو پُر و آراستہ کرنے کے لئے ناکافی ہے جو ۱۸۷۵ء سے شروع ہوتا ہے اور ۱۹۷۵ء پر ختم ہوتا ہے۔

قوتِ تسخیر کا مظاہرہ حیرت کی بات بھی ہے اور اسلام کی قوتِ تسخیر اور اسکی علمی فتوحات کی دلیل بھی کہ اس نصف صدی کے اندر سب سے زیادہ طاقتور، پُر از اعتماد بلکہ اعتماد آفریں اور ایمان پرور دو کتابیں لکھی گئیں اور وہ دونوں ایک نومسلم کے قلم سے ہیں۔ میری مراد محمد اسد صاحب سابق (LEOPOLD WEISS) سے ہے۔ جو جرمن نژاد اور یہودی النسل نومسلم فاضل ہیں اور جنہوں نے اپنی پہلی کتاب "ISLAM AT THE CROSS ROAD" لکھ کر اس تختی برِ اعظم میں نہ صرف ایک ذہنی حرکت بلکہ اعتماد و یقین کی ایک نئی کیفیت پیدا کر دی۔ اسلامی شریعت اسلامی تہذیب اور حدیث و سنّت کی طرف سے عرصہ سے ایسی پُر زور وکالت نہیں کی گئی تھی جیسی اس کتاب میں نظر آتی ہے نیز مغربی تہذیب و اسلامی تہذیب کے بنیادی اختلاف اور مغربی تہذیب پر ایسی عالمانہ و پُر زور تنقید کسی مغربی فاضل کے قلم سے نہیں ملے گی۔ ہم کو خوشی اور فخر ہے کہ یہ کتاب ان کے ہندوستان کے زمانۂ قیام میں لکھی گئی۔ عربی میں اس کا ترجمہ "الاسلام علی مفترق الطرق" کے نام سے ہوا اور اس نے عرب نوجوانوں میں بھی ایک نئی قوتِ ایمانی پیدا کر دی ان کی دوسری کامیاب تصنیف "Road To Macca" ہے جو یورپ و امریکہ میں بڑی دلچسپی اور شوق سے پڑھی گئی۔ انہوں نے بڑی سکدستی بلکہ چابکدستی کے ساتھ اسلامی حقائق۔ اس کی تہذیب کی برتری اور اس کے دین کی آفاقیت و انسانیت کو ذہن نشین کیا ہے، جزیرۃ العرب، اسلامی ملکوں کے معاشرہ کی صحیح تصویر اپنے دلچسپ صحرائی سفر کے تجربات اور مہم جوئی (ADVENTURES) کے ضمن میں اور اچھی ادبی انگریزی زبان کے غلاف میں لپیٹ کر اہلِ مغرب بالخصوص امریکن سوسائٹی کے افراد کے کام و دہن سے اتارنے کی کوشش کی، اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔ اس کتاب کا ترجمہ عربی میں "الطریق الی مکۃ" اور مصنّف کی اجازت سے اردو میں "طوفان سے ساحل تک" کے نام سے شائع ہو چکا ہے ہندی میں جب آتما جاگی जब आतमा जागी ک[illegible] نام سے اس کا ترجمہ شائع ہوا ہے۔

یہ بھی عجیب اتفاق اور ہم مسلمانوں کے لئے عبرت انگیز اور سبق آموز حقیقت ہے کہ اسلام کی طاقتور اور صحیح وکالت اور مغربی تہذیب پر جراتمندانہ تنقید کا کام خدا نے پھر ایک نومسلم اور اس مرتبہ نومسلم امریکن خاتون

مسز مریم جمیلہ سابق MARGARET MARCUS سے لیا۔ ان کی تمام تحریریں اور فاضلانہ مضامین ان کے عمیق مطالعہ اسلام کی صحیح ترجمانی اور تہذیب مغرب کے طلسم سے دماغ کی مکمل آزادی بلکہ بغاوت کے شاہد ہیں، ان کی دو کتابیں ISLAM VERSUS THE WEST اور ISLAM AND MODERNISM خاص طور پر بہت خیال آفروز اور بصیرت افزا ہیں۔

اس موقع پر میں قصداً اسلامیات کے اس وسیع و وقیع ذخیرہ کے مصنّفین کا نام نہیں لیتا جو اصلاً اردو یا عربی میں لکھی گئی تھیں۔ پھر ان کو انگریزی میں منتقل کیا گیا۔ ان کی فہرست طویل ہے اور آپ ان سے واقف ہیں۔ اس سلسلہ میں سیّد قطب، محمد قطب، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تصانیف اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ کی ان انگریزی مطبوعات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے جو یورپ و امریکہ اور انگریزی بولنے والے ممالک میں مقبول ہیں۔

حضرات! اب مجھے تھوڑی سی جرأت کی اور اجازت دیجئے کہ میں یہ کہوں کہ ہندوستانی مسلمانوں کے لئے انگریزی اور عربی دونوں اجنبی و بیگانہ زبانیں تھیں، جو وہ صرف اپنے مطالعہ اور مشق کے ذریعہ حاصل کر سکتے تھے۔ اور ان میں تصنیف و تالیف کا کام دشوار بھی تھا اور نازک بھی، لیکن اس لحاظ سے ان دونوں زبانوں میں بڑا فرق ہے۔ کہ انگریزی زبان کے حاصل کرنے اور اس میں اظہار خیال کی قابلیت و قدرت پیدا کرنے کے بہترین ذرائع ہندوستان میں پائے جاتے تھے۔ اس کے سکھانے والے ابتدا میں اہلِ زبان اور بعد میں ان کے باکمال اور ماہر تعلیم شاگرد تھے۔ اخبارات و رسائل اور جدید مطبوعات کا بھی ایک سیلاب تھا جو انگلستان اور خود ہندوستان سے امڈتا رہتا تھا۔ پھر اس میں کمال پیدا کرنے اور اہلِ زبان کی طرح مشق بہم پہنچانے کے قوی محرکات و دواعی بھی موجود تھے۔ اس محنت کا صلہ بھی ملتا تھا۔ اور اس کامیابی پر شہرت و نیک نامی بھی حاصل ہوتی تھی۔

اس کے برخلاف عربی زبان ان تمام ذرائع و ترغیبات سے محروم تھی جو انگریزی زبان کو حاصل تھیں۔ یہاں اہلِ زبان کو دیکھنے کو آنکھیں اور ان کی باتیں سننے کو کان ترستے تھے۔ آمد و رفت کے (سوائے حج کے جو ایک عبادت اور دینی سفر ہے) وسائل و تقریبات بھی ہندوستان کے آزاد ہونے تک مفقود تھیں۔ تصنیف کے بعد طباعت و اشاعت کا یقین جو ایک مصنّف کے لئے مہمیز کا کام دیتا ہے۔ ہندوستان میں تقریباً مفقود تھا۔ عربی میں تصنیف کرنے والوں کو نہ حکومت کی سرپرستی حاصل تھی نہ اداروں کا تعاون، نہ پڑھنے والوں کی ہمت افزائی خود ہی لکھنا خود ہی پڑھنا، خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ کا مضمون ایسی حالت میں اگر عربی میں ایک بھی اعلیٰ معیار کا تحقیقی و تصنیفی کام نہ ہوتا اور کوئی عالم کسی اسلامی یا علمی موضوع پر جگر کاوی و دیدہ ریزی سے کام نہ لیتا تو قطعاً محل تعجب نہ تھا۔ بلکہ ہر طرح قرینِ قیاس اور توقع کے عین مطابق تھا۔

عربی میں تحقیق و تصنیف لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ یہاں اس ایک صدی میں جسکو ہم اسلامی تقویم کے اعتبار سے ۱۳۰۱ھ سے شروع کرکے ۱۳۹۸ھ پر ختم کرسکتے ہیں۔ عربی زبان میں اتنا بڑا تحقیقی اور تصنیفی کام ہوا جو نہ صرف اپنی کیفیت اور جوہر (QUALITY) کے لحاظ سے بلکہ اپنی کمیت اور حجم (QUANTITY) کے لحاظ سے بھی موجب حیرت ہے اور جس پر ہندوستانی مسلمانوں کو اور اگر آپ اجازت دیں تو ہندوستان کے قدیم نظام تعلیم کو بھی فخر کرنے کا حق ہے۔ میں اس سلسلہ میں صرف چار کتابوں کا نام لوں گا۔ ایک مولانا محمود حسن خان ٹونکی (م ۱۳۶۶) کی کتاب "معجم المصنفین" کا جو مصنفین اسلام کے سلسلہ میں ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کی حیثیت رکھتی ہے۔ ساٹھ جلدوں اور بیس ہزار صفحات پر مشتمل اس کتاب میں چالیس ہزار مصنفین کے حالات درج ہیں۔ کتاب کی وسعت اور ہمہ گیری کا اندازہ اس سے ہوگا کہ مصنف نے دو ہزار ایسے مصنفین جمع کئے ہیں، جن کے نام احمد ہیں، اس کتاب میں ڈیڑھ ہزار کتابوں کا عطر آگیا ہے، اسلامی تاریخ کے ابتدائی عہد تصنیف و تالیف سے ۱۳۵۰ھ تک ان تمام اشخاص کا تذکرہ موجود ہے جنہوں نے عربی زبان میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ اس کتاب کے صرف چار حصے مرحوم حکومت حیدرآباد کے مصارف پر بیروت میں چھپے تھے۔ بقیہ جلدیں غالباً کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں محفوظ ہیں۔ میں اس مؤقر مجلس میں اس لئے اس کا ذکر کر رہا ہوں کہ شاید کسی اور ادارہ، تنظیم یا حکومت کو اس علمی خزانے کو محفوظ اور عام کرنے کی طرف توجہ ہو جائے۔

اس کے بعد میں ان تین کتابوں کا ذکر کروں گا جو اسی ادارہ کے بانیوں میں سے ایک عالم کی تصنیف ہیں، اور میرے لئے ان کے تذکرہ میں یقیناً یہ حقیقت مانع نہیں ہونی چاہیئے کہ وہ میرے والد ماجد تھے کہ علم و تاریخ میں اس شرم و لحاظ کی ضرورت نہیں۔ میری مراد مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ کی ان تین کتابوں سے ہے جن کا تعلق ہندوستان کی سرزمین اور مسلمانوں کے دور قیادت و ترقی سے ہے ان میں سے پہلی کتاب "نزہۃ الخواطر" آٹھ جلدوں اور ساڑھے چار ہزار سے زائد آدمیوں کے حالات BIOGRAPHY پر مشتمل ہے۔ یہاں اس کی دوسری فنی اور تصنیفی خصوصیات سے بحث نہیں کہ ان پر تفصیل کے ساتھ کتاب کے مقدمہ اور "حیات عبدالحی" کے صفحات پر گفتگو کی جا چکی ہے، البتہ ایک خصوصیت کا ضرور ذکر کروں گا کہ اس کتاب کی بدولت ہندوستان کو تمام اسلامی ممالک میں یہ فخر کرنے کا حق حاصل ہے کہ صرف اسی کے اعیان و مشاہیر کی تاریخ و تذکرہ مسلسل و مکمل طور پر موجود ہے، اور وہ جغرافیائی حدود، زمانی اختلافات اور طبقاتی و مسلکی تنوعات سے بے نیاز ہو کر ہر اس شخص کا تذکرہ پیش کرتا ہے جس نے کچھ امتیاز پیدا کیا اور کوئی یادگار چھوڑی، ترکی، مصر و شام حتی کہ ایران کی مردم خیز سرزمین بھی کوئی ایسا تذکرہ نہیں پیش کرسکتی جو اسکی ہزار سالہ بلکہ سیزدہ صد سالہ تاریخ پر حاوی ہو۔ یہ کام ایک اکیڈمی کا تھا جو ایک آدمی نے انجام دیا۔

تنہا یہی کتاب مصنف کو اپنے ملک اور علمی دنیا کے سامنے سرخرو کرنے کے لئے کافی تھی لیکن انہوں نے

دو کتابیں عربی میں اور لکھیں ان میں سے ایک جنۃ المشرق و مطلع النور المشرق" ہے جو عہد اسلامی کے ہندوستان کا آئینہ اور خطط کی ان کتابوں میں ایک وقیع اضافہ ہے، جس کا بہترین نمونہ مقریزی کے "خطط مصر" اور لسان الدین الخطیب کی "الاحاطہ فی اخبار غرناطہ" ہے۔ اس کتاب کا ترجمہ بھی اردو میں "ہندوستان اسلامی عہد میں" اور انگریزی میں INDIA IN MUSLIM RULE کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ان کی تیسری کتاب جو ان دونوں سے کم اہم اور محنت طلب نہیں تھی۔ "معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف" ہے جو گویا ہندوستان کے اسلامی عہد کی علمی و تصنیفی ڈائرکٹری ہے۔ اس میں نصاب درس کی عہد بعہد تبدیلیوں، اضافوں اور تراجم کا پورا نقشہ اور ہر علم و فن پر علمائے ہند کی چھوٹی بڑی تصانیف کا مرقع ہے، گویا وہ ہندوستان کے لئے "کشف الظنون" کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کتاب کو ۱۹۵۷ء میں دمشق کی شہرۂ آفاق علمی اکیڈمی "المجمع العلمی العربی" نے "الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند" کے نام سے بڑی آب و تاب سے شائع کیا اور یہ عالم عربی اور مغربی دنیا میں بڑے قدر کے ہاتھوں سے لی گئی۔ اس کا ترجمہ اردو میں دار المصنفین نے "ہندوستان میں اسلامی علوم و فنون" کے نام سے شائع کیا اور اس کی سخت ضرورت ہے۔ کہ انگریزی اور فرنچ میں بھی اسکو منتقل کیا جائے کہ اس موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔

عربی زبان میں ٹھوس تحقیقی کام کرنے والوں کی زریں فہرست میں علامہ عبدالعزیز میمن (سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) کا نام بھی شامل کرنا ضروری ہے۔ انہوں نے لاہور و علی گڑھ میں بیٹھ کر عربی زبان و ادب کی تحقیق اور اس کے اشعار و الفاظ کی تصحیح و تنقیح اور لغت و نحو اور شعر و ادب کی قدیم کتابوں کو تحقیق سے شائع کرنے اور ان کو اپنی تحقیقات و افادات سے مزین کرنے نیز مختلف قدیم قلمی نسخوں سے اس کا مقابلہ کرنے کا وہ عظیم الشان کام انجام دیا جسکی نظیر بلاد عربیہ میں بھی مشکل سے ملے گی، مشرق وسطیٰ کی مختلف اکیڈمیوں کو کارکن بنا کر اور لسان العرب کی تصحیح کی مؤقر کمیٹی میں شامل کر کے ادبائے عرب نے ان کی وسیع النظری اور دقیقہ رسی کا اعتراف کیا "ابو العلاء وما الیہ" اور "سمط اللالی" ان کی محنت و عرق ریزی اور عربی زبان پر عبور کی شاہد ہے۔ میرے ایک سوال پر حال میں انہوں نے بتایا کہ ان کو پون لاکھ سے ایک لاکھ تک عربی کے اشعار یاد ہوں گے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ کسی زبان، ادب و علم میں کمال و امتیاز پیدا کرنے اور داد تحقیق دینے کے لئے اپنا ذاتی علمی شغف کافی ہے۔ اور علم سفر بھی ہے، منزل بھی، ست بھی ہے اور اس کا انعام بھی۔

یہاں پر میں نے طوالت کے ڈر سے علمائے ہند کی ان علمی اور تصنیفی خدمات کا ذکر نہیں کیا۔ جو انہوں نے حدیث کے متون کی شرح اور ائمہ حدیث کی قدیم کتابوں کی تصحیح و تحقیق کے سلسلے میں انجام دی ہیں۔ اس سلسلے میں بطور مثال شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی شرح موطأ جو چھ ضخیم جلدوں میں ہے، اور "اوجز المسالک" کے نام سے مشہور ہے۔ مولانا عبدالرحمان صاحب مبارکپوری کی تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی اور مولانا حبیب الرحمان صاحب اعظمی

کی اس محنت و دیدہ دری کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جس کا انہوں نے مصنف ابن عبد الرزاق کی طباعت اور تصحیح و تحقیق میں ثبوت دیا۔

نظامِ تعلیم کا مسئلہ | یہاں پر قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارا قدیم نظامِ تعلیم جس کی اساس اخلاص، زہد و جفاکشی اور اخروی ثواب کی طلب پر تھی، صحیح علمی ذوق پیدا کرنے، محنت و جانفشانی کا جذبہ ابھارنے اور خاموشی و گم نامی کے ساتھ علم و تحقیق کا کام کرنے کا شوق پیدا کرنے میں زیادہ کامیاب تھا؟ اور کیا اس میں اس کو بھی دخل ہے کہ شمع علم کے یہ پروانے عہدوں، بڑی تنخواہوں، ترقی حاصل کرنے اور کیریر (CAREER) بنانے سے بے نیاز ہو کر اپنا کام انجام دیتے تھے اور اداروں اور درسگاہوں کی سیاست سے کنارہ کش ہو کر پوری یکسوئی کے ساتھ علم و تحقیق کے کام میں مصروف رہتے تھے؟

حضرات! میں اس موقع پر ان جدید عربی تصانیف کا ذکر نہیں کروں گا، جو علمائے ہند اور فضلائے ندوہ کے قلم سے نکلی ہیں اور مشرقِ وسطیٰ اور ممالکِ عربیہ میں ان کے کئی کئی ایڈیشن شائع ہوئے ہیں، نہ ان کتابوں کا ذکر کروں گا جو اسلامیات پر اردو میں لکھی گئی ہیں، پھر ان کا عربی میں ترجمہ ہوا کہ ان کی فہرست طویل ہے اور میں نے اپنے اس خطبہ کے لئے انگریزی زبان میں اسلامیات کے اس کام کو موضوع بحث بنایا ہے جو اس تختی برّاعظم میں انجام پایا۔ اس طویل سمع خراشی کے بعد آخر میں یہ عرض کروں گا۔ کہ اسلامی ممالک کی فکری قیادت تو بڑی چیز ہے۔ ان کو ذہنی انتشار بلکہ ذہنی ارتداد سے بچانے کے لئے اسکی سخت ضرورت ہے کہ ہماری علمی و ذہنی توانائیوں کا بڑا حصہ انگریزی میں اسلامی لٹریچر پیدا کرنے پر صرف ہو، جو اب بھی دل و دماغ کو متاثر کرنے اور علمی حقائق کو ذہن میں بٹھانے اور اپنے دین، اپنی تہذیب اور اپنی تاریخ کے بارے میں احساس کمتری اور خود فراموشی بلکہ خودکشی سے بچانے کے لئے جادو کا اثر رکھتی ہے اور ابھی ان ملکوں میں اس کا سحر نہیں ٹوٹا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی مؤقر کانفرنس جو تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد کسی ایک اہم علمی مرکز یا دانش گاہ میں منعقد ہوتی ہے۔ میں آخر میں یہ عرض کروں گا کہ گذشتہ نسل کے تحقیقی کام کرنے والوں کی طرف سے پیہم یہ صدا آرہی ہے ؎

کون ہوتا ہے حریفِ مےِ مرد افگنِ عشق　　　ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

آخر میں آپ کی اس عزت افزائی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ اس مؤقر مجلس کی صدارت کے لئے مجھ طالب علم کا انتخاب کیا اور یہاں اپنی کانفرنس منعقد کر کے اس ادارہ اور اس شہر کو عزّت و مسرّت بخشی، جو عرصہ تک علم و تعلیم کا بڑا مرکز رہا ہے اور جس کا مرتب کیا ہوا نصاب ہندوستان اور بیرون ہند میں سکّہ رائج الوقت کی طرح رواں رہا ہے۔ اور یہیں سے ندوۃ العلماء کے بانیوں نے اصلاحِ نصاب اور جدید مطالعہ و فکر کی دعوت دی ہے۔ خدا کرے یہ کانفرنس ہر طرح اپنے مقاصد میں کامیاب اور نئے عزائم اور مساعی کا مقدمہ ثابت ہو۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ ■■